فرماتے ہیں :- "یہ امام جو تمام قوموں کو ایک مذہب پر لانا چاہتا ہے، اس کو اور چند اصولوں کی جو اُصول مذکورہ بالا کے علاوہ ہیں حاجت پڑتی ہے، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک قوم کو راہ راست پر چلاتا ہو، اس کی اصلاح کرتا ہے۔ اس کو پاک بنا دیتا ہے۔ پھر اُس کو اپنا دست و بازو قرار دیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ یہ امام تمام دنیا کی قوموں کی اصلاح میں جان کھپائے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اُس کی شریعت کی اصل بنیاد تو وہ ہو جو تمام عرب و عجم کا فطری مذہب ہو۔ اس کے ساتھ خاص اُس کی قوم کے عادات اور مسلّمات کے اُصول بھی لیے جائیں اور اُن کے حالات کا لحاظ بہ نسبت اور قوموں کے زیادہ تر کیا جائے۔ پھر تمام لوگوں کو اس شریعت کی پیروی کی تکلیف دی جائے۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہر قوم اور ہر پیشوائے قوم کو ہر زمانے میں یہ اجازت دی جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنالیں۔ اس سے تو شریعت کا جو مقصود ہے وہ بھی فوت ہو جائے گا۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر قوم کی عادات اور خصوصیات کا پتہ لگایا جائے اور ہر ایک کے لئے الگ الگ شریعت بنائی جائے۔ اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہیں کہ خاص اس قوم کی عادات، شعائر، تعزیرات اور انتظامات کا لحاظ کیا جائے، جن میں یہ امام پیدا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے۔"

اس کے بعد مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ اس اُصول سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ شریعتِ اسلامی میں چوری، زنا، قتل وغیرہ کی جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں، اُن میں کہاں تک عرب کی رسم و رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ ان سزاؤں کا بعینہا اور بخصوصہا پابند رہنا کہاں تک ضروری ہے۔ (یہاں مولانا شبلی کا بیان ختم ہوتا ہے)

اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید میں اُس قوم کی عادات، شعائر، تعزیرات اور انتظامات کا لحاظ رکھا گیا ہے جس میں وہ نازل ہوا، اور جو اُس کے اولین مخاطبین تھے، لیکن اِس سے قرآن مجید کی عمومیت اور ہمہ گیریت پر کوئی حرف نہیں آتا، کیونکہ ایسے احکام جو ان عادات اور حالات کی بنا پر ہوتے ہیں، اُن کی پابندی مقصود بالذات نہیں ہوتی۔ مولانا سندھیؒ اس بارے میں فرماتے تھے کہ قرآن میں کہیں کہیں جو اس قسم کے احکام ہیں، اُن کی حیثیت ایک عملی مثال کی ہے، یعنی عرب کے اُن حالات میں قرآن مجید کے عمومی پیغام کو صرف ان احکام کے ذریعہ ہی بروئے کار لایا جا سکتا تھا۔

مولانا سندھیؒ کے نزدیک وہ علماء جن کے پیشِ نظر عام انسانیت کی مجموعی ترقی اور بہبود ہوتی ہے، وہ انبیاء کی تعلیمات کے عمومی پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اور اُن کے ہاں انبیاء کے وہ احکام اور قوانین جو کسی خاص قوم اور ایک خاص زمانے

خصوص حالات کے تحت مرتب ہوتے ہیں، وہ عالمگیر اور دائمی نہیں ہوتے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا شمار اُنہی علماء ہوتا ہے۔ آپ نے اوّل تو تمام انبیاء کی تعلیمات کی مشترکہ اساس متعین کی، جو آپ کے نزدیک انسانیت عامہ کے مطابق . اور دونوں میں کوئی تضاد نہیں. مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کی اس حکمت کو ماننے سے میرے دل پر یہ اثر ہے کہ اگر میں کسی دوسرے مذہب کے آدمی کو، یا اس شخص کو جو کسی مذہب کو سرے سے نہیں مانتا، انسانیت عامہ کی فلاح وبہبود م کرتا دیکھوں، تو میرے دل میں اُس کی عزت اور محبت جاگزیں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب کی حکمت سے میں یہ ا ہوں کہ انبیاء کی تعلیم کا اصل مقصد انسانیت کی بھلائی اور ترقی ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ خدمت سرانجام دیتا ہے، تو اُس سے کیسے نفرت کروں۔

غرض حکمت عام ہے اور وہ انسانیت عامہ کی اساس ہے۔ اور اس کی بنیادوں پر جو قانون بنتا ہے، اُس میں ماحول ضروریات ملحوظ ہوتی ہیں۔ بقول مولانا سندھی:- ایک خاص زمانے میں جو نظام بروئے کار آتا ہے، وہ آخری نہیں ا۔ وہ انسان کو زندگی کے ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں جانے کے قابل بناتا ہے۔ جہاں تک اس خاص مرحلے کا ق ہوتا ہے، اُس کے لحاظ سے تو اس نظام کی حیثیت آخری ہوتی ہے، لیکن مجموعی انسانیت کے لئے یہ ایک مثالی یا نمو اہے۔ لوگ غلطی یہ کرتے ہیں کہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کُل حقیقت کا مرادف سمجھ لیتے ہیں اور ہر زمانہ اور ہر قوم و ملک ں اس نظام کو بجنسہٖ نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کے ذہین طبقوں میں اس نظام سے بے دلی پیدا ہونے ہے جسے غلطی سے اُس اصل اُصول سے بے دلی سمجھا جاتا ہے، جس کا یہ نظام ایک عملی مظہر ہوتا ہے۔ اب اگر نظام کو ایک ل کی حیثیت دی جاتی اور افراد کو اجازت ہوتی کہ وہ اس نظام کے اندر رہ کر اُس کو ضرورتوں کے مطابق بدل سکتے اور نے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اُس میں بھی ارتقا ہوتا، تو انسانیت شاہراہِ ترقی پر برابر گامزن رہتی۔ زندگی آگے بڑھ رہی ہے ر آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ ایک حد تک تسلسل بھی چاہتی ہے، اگر نظام میں تغیر و تبدل کا یہ راستہ اختیار کیا جائے تو رگی کا تسلسل بھی قائم رہتا ہے اور ترقی بھی نہیں رُکتی۔

حکمت اور فقہ دین کے دونوں جزو ہیں، اور زندگی میں دونوں کی ضرورت ہے، لیکن اگر فقہ کو سب کچھ سمجھ لیا جائے، ر اُسے اُسی شکل میں قائم رکھنے پر اصرار ہو، جو ایک زمانے میں اُس کی متعین ہوئی تھی، تو نہ صرف ایسی فقہ حکمت سے ادامن ہو جائے گی بلکہ عملی زندگی میں اُس کی کوئی جگہ نہیں رہے گی۔

# حضرت ابوہریرہؓ اور مستشرقین

اُستاذ محمد عرفہ وکیل کلیۃ الشریعۃ جامعہ ازہر[1]

مستشرق گولڈسیہر نے دائرۃ المعارف الاسلامیہ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) مجلد اوّل عدد ہفتم میں جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں چند خیالات کا اظہار کیا ہے جن کی کوئی تاریخی و علمی حیثیت نہیں۔ ہم یہاں مستشرق مذکور کے یہ خیالات نقل کرتے ہیں اور بعد میں اُن پر محاکمہ کرکے بتائیں گے کہ وہ کس قدر بے سروپا ہیں۔

گولڈسیہر دائرۃ المعارف اسلامیہ کے عدد ہفتم ص۴۱۲ میں حضرت ابوہریرہ کے ذکر میں لکھتا ہے۔

"اُن کا احادیث کو روایت کرنے کا طریقہ جن میں کہ معمولی سے معمولی چیزوں کا ذکر بڑے مؤثر انداز میں کیا ہے، بتاتا ہے کہ اُن میں ظرافت و مزاح کی روح تھی، اور یہی بات بہت سے مروی شدہ قصوں کا سبب بنی ہے (ابن قتیبہؒ نیز اُن کا احادیث کا وسیع علم، جو اُنہیں ہمیشہ یاد رہتی تھیں (مسند امام احمد بن حنبل ۲۱۳ صفحوں سے زیادہ پر ابوہریرہؓ کی مروی شدہ احادیث ہیں) اُن لوگوں کے دلوں میں بھی جنہوں نے خود اُن سے براہ راست احادیث روایت کی ہیں، شک شبہ پیدا کر دیتا تھا۔ اور اُنہوں نے مسخرے کے انداز میں اپنے ان شکوک کے اظہار میں تردد نہیں کیا (دیکھئے البخاری فضائل الاؓ بدیں وجہ اُنہیں بعض دفعہ لوگوں کی اِن باتوں کے متعلق جو وہ اُن کے بارے میں کرتے تھے، اپنی مدافعت کرنی پڑی۔ یہی حالات ہیں، جن کی بنا پر ابوہریرہؓ کی احادیث کے معاملے میں ہمارا موقف احتیاط و شک کا ہو جاتا ہے۔"

---

[1] جامعہ ازہر قاہرہ کی کلیۃ شریعۃ (شریعت کالج) کے وکیل (نائب پرنسپل) کا یہ مضمون قاہرہ کے دینی رسالے نور الاسلام میں شائع ہوا تھا۔ مضمون کی علمی افادیت کے پیش نظر مولانا محمد اسمٰعیل بن مولانا محمد صادق مرحوم مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی نے اس کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے ——— (مدیر)

شپرنگر ابوہریرہؓ کے ذکر میں لکھتا ہے کہ وہ نیکی کے جذبے کے تحت احادیث کو وضع کرنے میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بہت سی حدیثیں جو اُن سے منسوب ہیں، بعد کے زمانے میں مصر میں وضع ہوئی ہیں "

حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں یہ جو بات کہی گئی ہے اُس میں آپ پر کئی مطاعن و اعتراضات وارد ہوتے ہیں، دردہ سب اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ احادیث کی روایت میں امین نہ تھے۔ چنانچہ گولڈسیہر کا کہنا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کرتے تھے اور اس میں حد سے متجاوز تھے اور وہ یہ سب نیکی و ورع کے جذبے کے تحت کرتے تھے۔ نیز جن لوگوں نے خود اُن سے احادیث روایت کی ہیں، وہ بھی ان روایتوں میں شک کرتے تھے اور اپنے ان شکوک کا اظہار اُنہوں نے استہزائی انداز میں کیا ہے۔ اور یہ کہ اُن کی روایتوں میں معمولی معمولی چیزوں کا ذکر بڑے مؤثر اسلوب میں کیا گیا ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُن میں ظرافت و مزاح پایا جاتا تھا اور یہی بات بہت سے قصوں کے ظہور کا باعث بنی ____ حضرت ابوہریرہؓ پر ان اعتراضات کا موجد مصنف اپنے ثبوت میں بعض اسلامی کتابوں کا حوالہ دیتا ہے تاکہ وہ اپنے اعتراضات کو ایک دل کش جامے میں پیش کرکے لوگوں کے دل میں یہ ڈال سکے کہ اُس کے اعتراضات صحیح ہیں۔ اس طریقۂ بحث میں فریب اور ملمع سازی ہے۔ ہم خدا کی توفیق سے اس فریب کا پردہ چاک کریں گے۔

ابوہریرہؓ جن پر اُنہوں نے یہ رکیک حملے کیے ہیں اور جن کی طرف اس قسم کی بے سروپا باتیں اُنہوں نے منسوب کی ہیں وہ ایک جلیل القدر صحابی تھے اور روایت میں تمام صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے، بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ ابن عمرؓ کے سوا سب سے روایات میں بڑھے ہوئے تھے، اس بحرِ علم پر جرح کرنا جو علم سے بھرپور تھے۔ پھر اُنہوں نے اُنہیں علم سونپا جو اُن سے اسے اخذ کرنے آئے اور ان سے پھر ہم تک پہنچا، دراصل اس بے پایاں علم کو مجروح کرنا ہے۔ اور اس کی تمام مرویّات سے اعتماد کو ختم کرنا ہے۔ یہ بڑی خرابی کا باعث ہے۔ پھر بھی اگر اس اعتراض کی کوئی صحیح وجہ ہوتی تو اس کو برداشت کیا جاسکتا تھا۔ لیکن یہ طعن و اعتراض سرتاسر باطل ہے، اور اس میں کوئی صداقت نہیں۔

امام بخاری کے قول کے مطابق اس امام سے آٹھ سو علماء نے روایت کی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سب ان پر پورا اعتماد کرتے تھے، اس لئے کہ اگر ان سب کا اعتماد ان پر نہ ہوتا تو وہ کبھی ان سے روایت نہ کرتے۔ حضرت ابوہریرہؓ پر تمام صحابہ اور محدثین کو پورا پورا اعتماد تھا جیسا کہ آنے والے اقوال سے معلوم ہوتا ہے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ابوہریرہؓ مجھ سے بہتر ہیں اور جو روایت کرتے ہیں اس کا انہیں بخوبی علم ہے۔ طلحہؓ بن عبیداللہ (عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں) فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ابوہریرہؓ نے حضورؐ سے وہ کچھ سنا ہے جو ہم نے نہیں سنا۔ نسائی کی روایت کہ ایک شخص زیدؓ بن ثابت کے پاس آیا اور ان سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا۔ زیدؓ نے فرمایا تم ابوہریرہؓ سے دریافت کرو، کیونکہ ایک مرتبہ میں ابوہریرہؓ اور ایک اور شخص مسجد میں بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے۔ اور اس سے دعائیں مانگ رہے تھے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ اب ہم خاموش ہوگئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم جو ذکر کر رہے تھے وہ کرتے رہو۔ زیدؓ نے فرمایا کہ میں نے اور میرے ساتھی نے ابوہریرہؓ سے پہلے دعا کرنی شروع کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری موافقت فرماتے رہے۔ پھر ابوہریرہؓ نے دعا کی اور کہا۔ اے اللہ! میں تم سے وہی دعا مانگتا ہوں جو میرے دونوں ساتھیوں نے مانگی، اور میں ایسا علم بھی اللہ تعالیٰ سے چاہتا ہوں جو بھولے نہیں۔ آپؐ نے فرمایا آمین۔ اس پر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے ایسا علم چاہتے ہیں جو بھولے نہیں، آپؐ نے فرمایا یہ دوسی لڑکا تم پر سبقت لے گیا۔

اُن کا حافظہ نہایت عمدہ تھا، جس کی وجہ سے وہ احادیث کو بہت اچھی طرح ضبط کرتے تھے۔ اس کی گواہی قابل قدر علماء دے رہے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ابوہریرہؓ اپنے زمانے کے راویان حدیث میں احفظ (زیادہ حافظے والے) تھے۔ اعمش ابو صالح سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:۔ ابوہریرہؓ صحابہ میں سب سے احفظ تھے۔ ابو زعیزعۃ (مروان کے سیکرٹری) کہتے ہیں کہ مروان نے ایک مرتبہ ابوہریرہؓ کو بلایا، وہ آکر احادیث بیان فرمانے لگے۔ مروان نے مجھے پلنگ کے پیچھے بٹھا دیا تھا اور وہ جو احادیث بیان فرماتے گئے میں لکھتا گیا۔ جب دوسرا سال شروع ہوا تو مروان نے پھر انہیں بلایا اور کہا کہ آپ وہ احادیث بیان فرمائیں اور مجھے حکم دیا کہ میں دیکھتا جاؤں، جب میں نے دیکھا تو ان میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں تھا۔ ان کے علاوہ اور بہت سی مثالیں ہیں جنہیں ہم طول دینا نہیں چاہتے۔ انہیں قارئین اسماء الرجال کی کتابوں میں مطالعہ کر سکتے ہیں۔

یہ ثقہ علماء کی آراء ہیں اور جس کی انہوں نے توثیق کی، وہ قابل اعتماد ہے۔ اور اس پر جرح نہیں کی جا سکتی، اور جس کی انہوں نے توثیق نہ کی، وہ ایسا کھوٹا ہے جس پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔ جس کے حصے میں ان علماء اور افاضل کی تعریف ہو اس کے بعد اس کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جائے وہ لغو اور لایعنی ہوگا، جس سے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ اس ضمن

ہیں یہ اجمال کافی تھا۔ لیکن ضروری ہے کہ ہم دہ اعتراضات و مطاعن کا تفصیلی جائزہ لے کر ان کا فاتحہ کر دیں۔

اصحاب دائرہ معارف اسلامیہ کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے احادیث کے وسیع علم نے ان لوگوں کے دلوں میں بھی شکوک ڈال دیئے جنہوں نے ان سے احادیث روایت کیں اور یہ کہ انہوں نے اپنے ان شبہات کے اظہار میں کوئی تردد نہ کیا اور پھر قارئین کے لئے بخاری کی کتاب فضائل الاصحاب ۱۱ کا حوالہ دیا ہے۔ ان کا مطلب بخاری کی اس حدیث سے ہے جو ابوسعید المقبری نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں:- ابوہریرہؓ بہت روایت کرتا ہے' واقعہ یہ ہے کہ میں تو حضورؐ کے ساتھ ہروقت بھرے پیٹ رہتا تھا۔ اس حالت میں کہ نہ میں خمیری روٹی کھاتا تھا اور نہ ہی میں کڑھی ہوئی چادر پہنتا تھا۔ نہ میرا کوئی خادم تھا نہ خادمہ۔ اور میں بھوک کی وجہ سے پیٹ سے پتھر باندھ لیتا تھا۔ الحدیث۔

یہی بخاری کی وہ حدیث ہے جس کو اصحاب دائرہ معارف اسلامیہ نے ابوہریرہ پر طعن و اعتراض کی بنیاد بنایا ہے۔ اور ایک انصاف پسند شخص اس حدیث سے اچھی طرح جان سکتا ہے کہ اصل بات یہ ہے بعض لوگوں نے کہا کہ ابوہریرہؓ بہت روایت کرتا ہے اور جب یہ انہوں نے اُن کے حافظہ اور کثرت روایت پر تعجب کرتے ہوئے کہا اور اُن کو یہ حق تھا کہ وہ اس پر تعجب کرتے اور یہ اس لئے کہ ابوہریرہؓ نے حضورؐ کی صحبت میں گو صرف تین سال گذارے تھے لیکن اُن سے روایت میں سب سے زیادہ تھے۔ اور تعجب کرنے والے کو یہ ضرورت ہوتی ہے کہ اس سے سبب بیان کیا جائے اور جبکہ سبب ظاہر ہو جائے تو تعجب ختم ہو جاتا ہے' پھر جب اُنہوں نے اپنی کثرتِ روایت اور زیادتی حفظ کی وجہ ان پر ظاہر کی اور بتایا کہ وہ حضورؐ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ اور اپنے پیٹ سے مارے بھوک کے پتھر باندھ رکھتے تھے اور انہیں کوئی تجارت یا زراعت حضورؐ کی خدمت سے نہیں روکتی۔ بدیں وجہ انہوں نے وہ سب کچھ حفظ کر لیا جو دوسرے حفظ نہ کر سکے۔ اور جو کچھ اُنہوں نے سنا وہ دوسرے نہ سُن سکے۔ جب متعجبین پر یہ سبب واضح ہو گیا تو وہ چپ ہو رہے۔

اچھا ہم تھوڑی دیر کے لئے اصحابِ دائرہ کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیتے ہیں کہ جب لوگوں نے کہا کہ ابوہریرہؓ بہت زیادہ روایت کرتے ہیں تو اس سے اُن کا منقصد اُن پر شک کرنا تھا نہ کہ تعجب۔ مگر اس واقعہ کی تاریخ کا واقف اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ جب اُنہوں نے سبب واضح کر دیا تو وہ خاموش ہو گئے' اور انہیں روایت کرنے سے نہ روکا بلکہ ان سے خود روایت

بھی کرنے لگے، اب اگر اُن کا شک قائم رہتا تو انہیں روایت کرنے سے ضرور روک دیتے اور ان سے روایت بھی نہ کرتے!
غرض یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کس قدر روایتوں کا اہتمام کرتے تھے۔ اور انہیں کتنی احتیاط اس بارے میں تھی ؟ اس احتیاط اور چھان بین سے انہیں کوئی امر مانع نہ ہوتا تھا۔ اس لئے جب اُنہوں نے دیکھا کہ ابو ہریرہؓ کا زمانہ صحبت کم ہے اور جب اُن کی روایات بکثرت ہیں تو انہوں نے بلا کسی رو رعایت کے ابو ہریرہؓ پر اپنے خیالات کا اظہار کردیا اور جب ابو ہریرہؓ نے اس کی معقول وجہ بتائی تو اُنہوں نے تسلیم کرلیا اور انہیں روایت حدیث سے نہ روکا بلکہ خود بھی ان سے روایت کرنے لگے۔ ایک حضرت علیؓ کی مثال لیجئے کہ وہ ہمیشہ اُس شخص کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتا قسم دیتے تھے اور جب وہ حلف اُٹھا لیتا تو اسے سچا سمجھتے تھے۔

اگر اصحاب دائرہ اس حدیث سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی انہیں خود بھی ان پر شک تھا جسے اُنہوں نے استہزاء آمیز انداز میں ظاہر کیا، تو کیا اُن پر یہ واجب نہ تھا کہ وہ ابو ہریرہؓ کو روایت حدیث سے روک دیتے۔ حالانکہ وہ اپنی پوری زندگی روایت کرتے رہے اور وہ حضورؐ کے بعد تقریباً پچاس سال زندہ رہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُنہوں نے ابو ہریرہؓ کی دلیل مان لی تھی اور جب اُنہوں نے ان سے کثرتِ روایت کا سبب بیان کردیا تو ان کے دلوں میں جو خلش تھی وہ دور ہوگئی۔ ابو ہریرہؓ اور عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ اور عائشہؓ کے مابین جو واقعات ہوئے تھے، وہ ہم گولڈ سیہر سے زیادہ جانتے ہیں، لیکن جب روحِ تاریخ کا ہم جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اُن کی توثیق کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ان کی روایات میں کوئی خرابی سمجھتے تو انہیں روایات بیان کرنے سے روک دیتے اور لوگوں سے انہیں دور رکھتے اور ہم جانتے ہیں کہ وہ حضرات تھے جو حدیث رسولؐ کی پوری حفاظت کرتے تھے۔ اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ حدیث میں لوگ کوئی وسعت نہ کرلیں، اور یہ کہ حدیث میں ملاوٹ اور کذب وغیرہ نہ داخل ہو جائے۔ اور مستشرقین کا یہ دعویٰ کہ ابو ہریرہؓ کی احادیث میں معمولی معمولی اشیاء کا مؤثر اسلوب میں ذکر ہے اور یہ اُن کی روحِ مزاح و ظرافت پر دلالت کرتا ہے اور یہی بہت سے قصوں کے ظہور کا سبب ہے۔ چنانچہ وہ اپنے اس دعوے کو ابن قتیبہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ ایسی بات ہے جو وہم اور گمراہی میں ڈال دیتی ہے۔

ہمیں علم نہیں کہ ابن قتیبہ نے ان مطاعن میں سے کوئی چیز ابو ہریرہؓ کی طرف منسوب کی ہو۔ بلکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ابن قتیبہ ان کی طرف سے دفاع کرتے ہیں جو اُن کی سچائی اور امانت کو واضح کرتا ہے، اور جن لوگوں نے ابو ہریرہؓ پر

تنقید کی ہے جیسے نظام، اُن کا وہ رد کرتے ہیں۔ ابن قتیبہ نے ان کا جس قدر اہتمام سے ذکر کیا ہے اور ان کی عظمت اور بزرگی کو جس انداز سے بیان کیا ہے وہ ہم یہاں ذکر کر دیتے لیکن ان محدود صفحات میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے ہم قارئین کو ابن قتیبہ کی تالیف (تاویل مختلف الحدیث ص ۴۸ اور مابعد) کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہ پوری تفصیل سے اس کا مطالعہ کریں۔

اور ہمیں معلوم نہیں کہ کون سی احادیث ہیں جن میں معمولی معمولی چیزوں کا ذکر ہے اور جو بہت سے قصص کے ظہور کا باعث ہوئیں۔ اصحاب دائرہ پر لازم تھا کہ وہ اس کی وضاحت کرتے تاکہ ان پر گفتگو کی جاتی اور جب انہوں نے ابن قتیبہ کا حوالہ دیا ہے تو اس کتاب کا نام لیتے کہ وہ کون سی کتاب ہے۔ ابن قتیبہ کی تو کئی مؤلفات ہیں جن میں سے کئی طبع بھی ہو چکی ہیں، اگر وہ ابن قتیبہ کی کسی کتاب کا نام لیتے تو ہم اس کی طرف رجوع کرتے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم ان پر یہ بات واضح کر دیتے کہ اس میں وہ نہیں ہے جو وہ سمجھے ہیں۔ کیونکہ یہ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک طرف تو ابن قتیبہ ابو ہریرہؓ کی اتنی زبردست تعریف کرے اور دوسری طرف اُن سے وہ باتیں منسوب کرنے لگ جائے جیسا اصحاب دائرہ کرتے ہیں۔

باقی جو وہ اسپرنگر سے نقل کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ احادیث گھڑنے میں حد سے تجاوز کر گئے تھے اور یہ بطور ورع اور نیکی کے تحت تھا۔ تو ہم کسی بھی اسپرنگر یا دوسرے کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں جن کا اس کے سوا کوئی کام نہیں کہ وہ حضورؐ کے اصحاب پر الزام لگاتے رہیں تاکہ مسلمانوں کو گمراہ کریں اور حقیقت اور واقعہ کو چھپائیں۔ اس ضمن میں یہ کافی تھا کہ ہم کہہ دیتے کہ یہ ایسے طعن ہیں جس کی کوئی سند نہیں۔ لیکن ہم یہاں ابو ہریرہؓ کی ذہنی افتاد کو بتانا ضروری سمجھتے ہیں اور عادتاً یہ چیز ناممکن ہے کہ ایسا شخص جھوٹا ہو اور حضورؐ پر بہتان تراشی کرے۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے جو اس موضوع میں بڑا مفید رہے گا۔

ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرہؓ کے یہاں سات مرتبہ مہمان ہوا ہوں، میں نے یہ دیکھا کہ ابو ہریرہؓ، اُن کی بیوی اور اُن کا خادم رات کو باری مقرر کر لیتے تھے۔ ایک پہلے عبادت کرتا پھر دوسرے کو جگاتا پھر وہ عبادت کرتا اس کے بعد تیسرے کو جگاتا۔ اسی طرح رات گزارتے تھے۔ انہوں نے اور بیان کیا کہ ان کے پاس ایک دھاگہ تھا جس میں ایک ہزار گانٹھیں تھیں جب تک اس کی تسبیح نہ پڑھ لیتے سوتے نہیں تھے۔

جو شخص ایمان اور تقویٰ کے اس مرتبہ میں ہو کیا وہ اس بات کی جرأت کر سکتا ہے کہ ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور کبیرہ گناہ بھی ایسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر جھوٹ گھڑے۔ اور اسی پر مرتے دم تک مصر رہے۔

حالانکہ وہ جانتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی روایت کرنا دین میں مفسدہ پردازی کا موجب ہے اور دین میں ایسی بات داخل کرنا ہے، جو اُس میں نہیں ہے۔

مستشرقین کا یہ کہنا کہ ابوہریرہ نیکی اور ورع کے تحت حدیثیں گھڑنے میں حد سے متجاوز تھے، تو یہ ایک بے سروپا بات ہے۔ کیونکہ نیکی اور ورع کا تقاضا تو یہ ہے کہ آدمی عام لوگوں سے بھی غلط روایت نہ کرے، کجا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط روایتیں کی جائیں، اور ابوہریرہؓ کس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جھوٹی روایتیں کرسکتے ہیں، جب کہ وہ خود اس حدیث کے راوی ہیں من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا کہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا، وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے) ابوہریرہؓ کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کسی سے حدیث بیان کرنے لگتے، تو پہلے اوپر کی حدیث کا ذکر کرتے۔

اب جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سُنی ہو اور اُسے اُس نے یاد کیا ہو، پھر وہ اُسے دوسروں سے بیان کرتا ہو اُسے وہ حدیث برابر یاد رہتی ہو اور وہ اُسی کا برابر ذکر بھی کرتا رہتا ہو۔ جب وہ کسی شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرے، تو اُس سے پہلے آپؐ کی اسی حدیث کا ذکر کرتا ہو۔ پھر وہ مومن نیکوکار اور متقی ہو، کیا ایسے شخص کے لئے عادتاً محال نہیں کہ وہ رسول اللہؐ پر جھوٹ بولے اور اس میں حد سے تجاوز کرے۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھے کہ آپؐ کی طرف غلط بات منسوب کرنا اور آپؐ پر جھوٹ بولنا دین اور نیکی کی بات ہے۔

باقی اِن مستشرقین کا یہ کہنا کہ بہت سی حدیثیں جو ابوہریرہؓ کی طرف منسوب ہیں، بعد کے زمانے میں مصر میں گھڑی گئی ہیں اور اُنہیں غلط طور پر بڑے بڑے محدثین کی طرف منسوب کردیا گیا ہے، جیسا کہ ابوہریرہؓ کی طرف، لیکن علمائے فقہ و حدیث نے اس پر پوری بحث کی گھڑی ہوئی حدیثوں کا پتہ لگایا اور اُن کا جھوٹ اِن علماء پر مخفی نہ رہا۔ اور اس طرح جھوٹی احادیث گھڑنے والوں کے تمام فریب بے نقاب ہوگئے۔

دائرۂ معارف اسلامیہ والوں کی اس طرح کی بحثوں سے غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے اُن بزرگوں کو جن سے اُنہیں عقیدت ہے بُرے رنگ میں پیش کریں تاکہ وہ اِن بزرگوں کے بارے میں اُن کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرسکیں۔ بمثال کے طور پر سید احمد بدوی[1] کو لیجئے اُن کی عفت اور نیکوکاری پر تعریض کرتے ہوئے فولرز لکھتا ہے: "..........میں اب اس رائے کی طرف

[1] مصر کے اس مشہور و معروف بزرگ کا مزار طنطا میں ہے، اور عام اہل مصر ان کی طرف ایسے ہی رجوع ہیں جیسے برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کا حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی طرف (مدیر)